قیامِ پاکستان کے بعد نثری ادب میں پاکستانیت

الزبتھ شاد، پی ایچ۔ڈی/ سکالر، کنیئرڈ کالج، لاہور

Abstract

After 1947, Urdu Prose was created having full of Love of soil and atmosphere, has its own separate recognization. Urdu prose must be concordant with the needs of the atmosphere of the country.

No doubt, Pakistan prose writer's creations promote nationalism, outlines and sites. Whether, it is Pakistani novel or Pakistani short story, both promote love of Pakistani soil and national survival.

In this research paper, the writer discusses about the concept of nationalism by taking into account the critical of Pakistani work by Pakistani Urdu writer.

تقسیم ہند کے نتیجے میں دُنیا کے نقشے میں ''پاکستان'' ایک الگ وطن کی صورت میں نمودار ہوا۔ ایسا ملک جس کے قیام کے پس منظر میں مقصد کارفرما تھا۔ صدیوں ہندوستانی قوم کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں کی شناخت، تشخص اور وجود ہمیشہ الگ رہا۔ مذہبی، سیاسی، ثقافتی تمام حوالوں سے منفرد سوچ کی وجہ سے ایک منفرد ملک معرض وجود میں آنا ناگزیر یہ تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان اور ہندوستان میں واضح فرق نظر آیا۔ پاکستان کے حالات سیاسی وجغرافیائی انداز کے علاوہ ثقافتی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان کے ابتدائی سال بہت مشکلات اور مصیبتوں میں گزرے۔ ان طوفانی ایام میں قوم کے ابھرے ہوئے جذبات کو نئے تقاضوں کا سامنا کرنا پڑا۔ قوم کے لیے ضروری تھا کہ اپنی اجتماعی قوتوں کو جمع کرے۔ ابتدائی مشکلات میں سیاسی وجغرافیائی مسائل تو تھے لیکن ایک بڑا مسئلہ اپنے تہذیبی تشخص اور اپنے ثقافتی ورثہ کی پہچان کا تھا کیونکہ بغیر تہذیب وثقافت کوئی بھی ملک ترقی نہیں کرسکتا نہ دُنیا میں اپنی شناخت پیدا کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنے تخلیقی ادب میں قومیت کا اظہار کرسکتا ہے کیونکہ ادب ہر قوم کی ثقافتی، تمدنی اظہار کا نام ہے۔ اسی لیے ادیبوں میں پاکستانی تہذیب کی شناخت اور ادب کے فروغ پر مباحث شروع ہوئیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد سیاسی، سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ نوزائیدہ ملک میں ادبی تبدیلیوں کا عمل بھی ناگزیر تھا۔ کیونکہ ادب ہمیشہ اپنے سماج کے حالات و واقعات کی تصویر دکھایا ہے۔ ادب دُنیا کی کسی بھی

زبان میں ہو کسی بھی خطے کی پیداوار ہو اس میں قومیت کا احساس اُجاگر ہونا ضروری امر ہے۔ اُردو ادب کے ہر دور میں اس پر عصری آگہی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ اُردو زبان کو ادب میں یہ خاصیت ہے کہ اپنے آغاز سے ہی اپنا نظریاتی تشخص قائم کیے ہوئے ہیں۔

پاکستانی ادب کی شناخت کے لیے پاکستانیت کا مفہوم واضح ہونا ضروری ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے برصغیر میں مسلمان جس جس خطے میں رہے ان کی تہذیب وتمدن رسم ورواج، عادات واطوار، قول وفعل اور سوچ و فکر کا وہی انداز رہا جو اسلام نے ان کو دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم بادشاہوں اور حکومتوں کے اسلام کے لیے کی ہوئی کوششوں سے ہر دور میں کچھ نہ کچھ اثرات اس خطے کے مسلمانوں کے دل و دماغ پر نقش ہوتے رہے۔ یہی نئی تہذیب لوگوں کے دل و دماغ پر اثر انداز ہونے لگی۔ اسی کا نام پاکستانیت ہے۔ یعنی وہ تمام خصوصیات جو مذہبی روشنی میں ہمیں دوسری اقوام سے الگ تھلگ پاکستان بننے کے بعد ایک نئی تہذیب و معاشرت میں پیدا ہو کر پہلے کی نسبت آزاد خود مختار فضا میں پروان چڑھیں اسی کا نام پاکستانیت ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے پاکستانیت کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتے تین باتیں کہی ہیں:

> ''پاکستانیت محض سیاسی جغرافیائی اور طلاع نہیں بلکہ اس کے کچھ تہذیبی، نظریاتی معانی بھی ہیں۔ جن کا براہ راست تعلق ہماری مسلم قومیت اور نظریہ پاکستان سے ہے۔
>
> پاکستانیت کسی علاقائی مزاج کا نام بھی نہیں بلکہ اس سے مراد ایک مجموعی مسلم مزاج ہے۔ جو اپنی ہزار سالہ تاریخ میں کل مسلمانانِ ہند نے ایک بین الاقوامی اسلامیت کے تحت ڈھالا جس سے پوری ہندی اسلامی تہذیب آ جاتی ہے۔
>
> پاکستانیت کے سیدھے سادھے معنی یہ ہیں کہ ادب میں وہ قومی روح منعکس کی جائے جو نظریہ پاکستان میں موجود ہے۔''[۱]

اسی طرح ڈاکٹر انور سدید کا خیال ہے:

> ''پاکستانیت سے مراد وہ مخصوص مزاج ہے جس سے اس خطۂ اراضی کی تہذیبی، ثقافتی فکر اور نظریاتی فرضیہ ہر قسم کی انفرادیت متعین ہوتی ہے۔ یہ مزاج دوسرے تمام ممالک سے پاکستان کے امتیازی نقوش مرتب کرتا ہے۔ اسے اگر آپ سکے سے تعبیر کریں تو یہ ٹکسال کا نظر ہے جہاں خام مواد کے اس سکے کی امتیازی شکل کی تکمیل ہوتی ہے۔''[۲]

بیسویں صدی میں مسلمانوں کے دلوں میں یہ شدید خواہش اُبھری کہ وہ اپنی تہذیب، تاریخ، زبان اور معیشت کو اسی علاقے میں یعنی اپنی اکثریت کے علاقے میں نافذ کریں۔ تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے انگریز قوم کی یہاں آمد اور رُخصتی کے لمحے تک مسلمانوں کی اس خواہش کا ہر جواز موجود تھا۔ اسی لئے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خاص تہذیب، خاص خطے میں رہنے والے یا خاص سیاسی نظریہ رکھنے والے افراد جو ایک خاص علاقائی تہذیب کے پیروکار ہوں خواہ وہ کسی مذہبی، لسانی یا فکری گروہ سے تعلق رکھتے ہوں۔

مسلمانوں میں اپنی زبان کی حفاظت و ترویج، لسانی رواداری اور اقتصادی ناہمواریوں سے ہٹ کر ایسے معاشی نظام کی ضرورت تھی جس کا طرۂ امتیاز عوامی مساوات اور اسلام قوانین تھا۔ جداگانہ قومیت سے شروع ہو کر قیامِ پاکستان تک ایک طویل جدوجہد ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جو غیر شعوری، غیر محسوس اور غیر واضح مراحل سے گزرتا ہوا شعوری اور واضح منزلوں پر آ کر ٹھہرتا ہے۔ یہ شعوری اور واضح منزل ہی پاکستانیت ہے۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان جب پرانی مخلوط تہذیب سے نجات حاصل کر کے ایک نئی سوچ و نئی فکر اور نئی امنگ اور ایک جداگانہ بودوباش کے رنگ ڈھنگ کے ساتھ اپنے الگ تشخص کو لے کر دُنیا کے نقشے پر ابھرا تو پاکستانیوں کو اپنی اصل شناخت کا احساس ہوا۔ یہی نیا شعور، شناخت اور سوچ پاکستانیت کی بنیاد تھی اس پاکستانیت کے شعور اور شناخت کو ہمارے پاکستانی ادیبوں نے اپنی تخلیقات میں سمویا اور یہی ادب جو ۱۹۴۷ء کے بعد تخلیق ہوا اور منظرِ عام پر آیا ''پاکستانی ادب'' کہلایا۔

قیامِ پاکستان کے بعد تخلیق ہونے والے ادب میں ابتداء ہی سے پاکستانیت کا شعور نمایاں ہو چکا تھا۔ ادیب تقسیم کے اثرات سے اثر انداز ہوئے اور نئے ماحول سے بھی متاثر ہوئے لیکن فوراً نئی تخلیق ان کے لیے بھی مشکل تھی کیونکہ وہ ذہنی طور پر منتشر ہو چکے تھے۔ پچاس کی دہائی کے بعد جدید ادب کا آغاز ہوا نئی اور پرانی نسل کے باہمی خیالات جدید قدیم سے مختلف تھا۔ درحقیقت وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کیونکہ ہندوستان میں جو تخلیقات ہوئیں ان میں تو فارسی، ہندی اور اُردو زبان کا امتزاجی اثر تھا لیکن پاکستان کے قیام کے بعد ہندی اور فارسی کا رجحان ختم ہوتا گیا اور اُردو ہی اسلامی اور پاکستانی کلچر کے ساتھ منسوب ہوئی۔

پاکستان کے ابتدائی سالوں میں تو ترقی پسند تحریک کے اثرات قائم رہے۔ اس کی وجہ ابتدائی حالات بھی تھی کیونکہ ملک سیاسی، جغرافیائی، معاشی اور معاشرتی حوالے سے بہت سی مشکلات کا سامنا کر رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے فسادات پھر ہندوستان کی تقسیم اور آخر آزادی یہ سب ایسے واقعات تھے کہ اس سے پہلے برعظیم میں پہلے رونما نہ ہوئے تھے جس سے معاشرتی، ذہنی اور سیاسی انقلاب سب ایک ساتھ نمودار ہوئے۔ انہی حالات کی وجہ سے ادب میں جمود طاری ہونے لگا۔ اسی لیے ترقی پسند تحریک کے خلاف آوازیں بڑھنے لگیں۔ یہ ایک فطری عمل تھا کہ جیسے جیسے ادیب ترقی پسند تحریک کے خلاف آواز اُٹھانے لگیں وہ ساتھ ساتھ اس جوش اور جذبے سے نئی تخلیقات پر بھی توجہ دینے لگے۔ ترقی پسند تحریک کے خلاف یہ ردِ عمل اور منفی حالات و واقعات کے اثرات نے ادیبوں کے اندر، پاکستانیت کی تڑپ پیدا کی اور ادیبوں نے اپنے ملک وقوم کی تعمیر و ترقی اور استحکام کی طرف توجہ دی اور اپنی تحریروں میں نئے ماحول اور حالات کی عکاسی کی۔ ڈاکٹر معین الدین کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ پاکستانی ادب میں قومی احساس اور ملی شعور کے بارے میں تو پاکستان کے ابتدائی دنوں میں ہی بات ہونے لگی اور ادیبوں سے یہی کہا گیا کہ وہ نوزائیدہ ملک میں نئے تقاضے اور نئے مسائل پر توجہ دیں اور قوم کے مزاج کو پہچانیں کیونکہ پاکستانی ادب صرف وہی نہیں ہے جو پاکستان کی سرزمین میں تخلیق ہو بلکہ ایسا ادب پاکستانی ادب ہے جو یہاں کے نئے حالات اور ماحول کی عکاسی کرے۔ کیونکہ پاکستان کوئی نئی قوم نہیں۔ یہ ملک تو صرف پاکستانی قوم کے تہذیبی وجود کے تحفظ کے لیے بنائے ہیں کیونکہ اُردو ادب

کی روایت دراصل پاکستانی ادب ہی کی روایت ہے۔۳۳

ادیبوں کے اس سوچ اور لگن کو ایک راہ کی ضرورت تھی۔ کیونکہ پاکستان کی تشکیل سے ان ادیبوں کو بھی حوصلہ ملا جو ترقی پسند تحریک کے خلاف وہ تخلیقی عمل نئے سرے سے شروع کرنا چاہتے تھے۔ اسی ردِعمل سے پاکستانی ادب کی تحریک کا آغاز ہوا۔ پاکستانی ادب کی بحث کو شروع کرنے والوں میں حسن عسکری سرفہرست ہیں حسن عسکری کے اس خیال کو ڈاکٹر صمد شاہین، ڈاکٹر جمیل جالبی، ممتاز شیریں، سجاد باقر رضوی اور سلیم اختر نے فروغ دیا۔ پاکستانی ادب اور اسلامی ادب کی آواز ساتھ ساتھ سنائی دینے لگی۔ لیکن حسن عسکری کا مقصد یہ نہ تھا کہ پاکستانی ادب سے مراد اسلامی ادب پیدا کیا جائے بلکہ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان میں جو ادب تخلیق ہو اس کے ذریعے مذہب اور تاریخ کے ساتھ ساتھ تہذیب اور زبان کی حفاظت بھی کی جائے اور ایسا ادب نہ تخلیق کیا جائے جو ماضی سے کٹ جائے بلکہ پاکستانی ادب اپنے الگ تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی قوم کے احساسات اور قومیت کو فروغ دے۔

اسی دور میں وطنیت اور قومیت کے فروغ کے ساتھ ساتھ ارضی و ثقافتی محبت کا رجحان بھی سامنے آیا۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی زمین اور اپنی تہذیب سے لگاؤ اور جذباتی وابستگی کا یہ نظریہ دیا اور کہا کہ پاکستان کی مٹی، ہوا، موسم اور اس کی تاریخ سب پاکستانی ادب کی خاصیت ہونا چاہیے۔ اور پاکستانی ادب میں پاکستانی مٹی کی مہک ضروری ہے۔ کیونکہ ادب کا ضمیر ہی زمین سے تیار ہوتا ہے۔ زمین کے ساتھ جذباتی وابستگی کے بغیر ادبی تخلیق ممکن نہیں ہوسکتی ہے۔

ڈاکٹر انور سدید نے ڈاکٹر وزیر آغا کے اس نظریے کی یوں وضاحت کی ہے:

> ''پاکستان کی ثقافت اور ادب کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا کا موقف یہ ہے کہ اس کی تشکیل میں مذہب کے گہرے اثرات کے علاوہ پاکستان کی مٹی، ہوا، موسم اور اس کی تاریخ نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے اور پاکستان کی مٹی کی کہانی ہند اسلامی ثقافت کے دور سے بہت پہلے ان ایام تک پھیلی ہوئی ہے جب اس خطۂ ارض پر وادی سندھ کی تہذیب نے جنم لیا تھا۔''۳۴

پاکستانی ادب میں اور اپنی مٹی سے جذباتی وابستگی اور قومی جذبے پر بحث محمد حسن عسکری اور وزیر آغا کے علاوہ ناصر کاظمی، احتشام حسین، ڈاکٹر احسن فاروقی اور ممتاز شیریں، جیسے بڑے ادیبوں اور نقادوں نے بھی کی قومی فکر اور پاکستانیت کے شعور پہ قلم اُٹھایا۔

خصوصاً ۱۹۶۰ء کے بعد ادب میں جو تبدیلی کی لہر آئی اس حوالے سے ادیبوں اور شاعروں میں بہت سی بحثیں ہوئی اور بہت سے مسائل اُٹھے ڈاکٹر نجم الاسلام کا مضمون ''پاکستانی ادب اور پاکستان (ماضی، حال اور مستقبل)'' بھی اسی حوالے سے اہم ہے جس میں انہوں نے جمیل الدین عالی کے مضمون ''اندیشہ ہائے گوناگوں'' کے نکات بھی شامل کیے۔ ان کا کہنا ہے کہ ساٹھ کی دہائی میں ہمارے ادیبوں میں بیداری کی فضا ایک بار پھر پھیلی ہے اور پاکستان کے تشخص کا معاملہ ابھرا ہے اور یہ بات زیرِ نظر ہے کہ ایسا ادب ہی تخلیق کیا جائے جو اپنی قوم اور ملک کی رسوم و رواج، روایات، انوکھے مزاج اور قومیت کے طرزِ احساس کا نمائندہ ہو۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاکستانیت کی تعریف اور تشخص کا ایک فیصلہ مکمل طور پر ذہن میں بسانا چاہیے اور پاکستانیت کے عناصر کو دل سے قبول کرنا چاہیے

تا کہ اُمید کی نئی کرن پھوٹے۔ جب کوئی بھی نیا ملک بنتا ہے تو اپنی تخلیقات کا تازہ خمیر بھی پیدا کرتا ہے۔ ہماری کشمکش، بے یقینیاں، نا اُمیدیاں جتنی تھیں وہی ہماری غزلوں نظموں انسانوں میں اُجاگر کر رہی ہیں۔ پاکستانی ادیب پاکستانی قومیت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں اور اب ان کا راستہ اُجاگر ہوتا جاتا ہے۔۵؎

ساٹھ کی دہائی کے آغاز میں ان تحریکوں کے زیر اثر اور فطری طور پر بھی حالات میں نئی تبدیلی رونمائی ہوئی۔ سیاسی حالات میں بھی تبدیلی نے ادب نے بھی نیا موڑ لیا اور یوں جدیدیت کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ایسی جدیدیت جس نے پاکستانی ادب کو نئی پہچان دی اُردو نثر اور شاعری میں نئے الفاظ، نئے اسلوب، نئے امیجز اور نئی علامات نظر آئیں۔ اسلوب کے ساتھ نئی لسانی تبدیلی بھی آئی۔ پاکستانی نئی نسل کے ظہور کے ساتھ ہی جدید ادب کا بھی آغاز ہو گیا۔ یہ وہ دور تھا جب ترقی پسندوں کی تخلیقات اپنے وجود کو برقرار رکھنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران جدیدیت کی جو تحریک آئی وہ اس بات کی ثبوت تھی کہ نئے کلچر، نئے ماحول اور نئے معاشرتی ڈھانچے میں پرانی روایات میں تبدیلی ضروری امر ہے۔

۱۹۵۸ء کے مارشل لاء سقوط مشرقی پاکستان ۱۹۶۵ء کی جنگ آزادی اور ۱۹۷۱ء کی جنگ ان تمام واقعات نے پاکستانی ادب میں بڑا انقلاب برپا کیا۔ ڈاکٹر رشید امجد ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد ادبی صورتحال کو یوں بیان کرتے ہیں:

> ''۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے خواب سیاسی نظام کو سنبھالنے کی بجائے اسے طرح طرح کے مسائل سے دوچار کر دیا۔ ایک سیاسی اور فکری خلاء پیدا ہو گیا جس کے نتیجے میں معاشرتی سفر کا رُخ خارج سے باطن کی طرف مڑا۔ موضوعات کی بجائے فنی اور لسانی بحثوں نے اہمیت حاصل کی اور انداز و اظہار میں ترسیل و ابلاغ کے مسائل نے جنم لیا۔ ۱۹۶۰ء کے قریب لسانی تشکیلات کی بحث نے نظم کو زیادہ اور اس کے بعد افسانے کو متاثر کیا۔ غزل پر یہ اثر قدرے کم پڑا۔''۶؎

پاکستان کے قیام سے اب تک جتنے بھی سیاسی دور گزرے سب کے اثرات افراد پر نہ صرف اجتماعی بلکہ انفرادی سطح پر ہوئے۔ پاکستانی ادب نے بھی ملکی حالات کے اثرات لیے اور ہمارے ادیبوں کی تخلیقات میں خالص پاکستانی مزاج کی خوشبو آنے لگی۔

نثری افسانوی ادب ہمیشہ معاشرے کے تہذیبی، معاشی، مذہبی اور سیاسی عناصر سے اثر پذیر ہوتا ہے اور انسانی تہذیب کے ہر جزو کو اپنے اندر سمونے کی طاقت رکھتا ہے۔ اُردو زبان و ادب میں بھی انسانی تہذیب اور معاشرے کی عکاسی داستانوں کی صورت میں منظر عام پر آئی۔ معاشرے کی بدلتی ہوئی قدروں، سیاسی، سماجی تہذیبوں اور تقاضوں نے انہی قصہ کہانیوں کو ارتقائی صورت دی اور ناول اور افسانے وجود میں آئے۔

پاکستان کے قیام کے بعد اُردو کے افسانوی ادب خصوصاً ناول اور افسانے نے قومی نقطۂ نظر سے بدلتے ہوئے حالات، ہجرت کے واقعات نئے ماحول اور تہذیب و ثقافت کے تمام اثرات قبول کیے اور نئی تخلیقات منظرِ عام

پرآئیں۔ پاک و ہند کی کہانیاں اور مشترکہ کلچر اور جو ناول اور افسانے کی روایت تھا۔ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد اور موجودہ حالات میں جو افسانوی ادب سامنے آیا اس میں نمایاں فرق ہے۔

قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ناول اور افسانے میں بڑا موضوع، ہجرت اور فسادات ہی تھا۔ یہ ایسے موضوعات تھے جو وقت کا تقاضا تھے اور ادیب ان حالات سے ہی اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا تھا۔ ہجرت اور ناسٹلجیا کے موضوع پر پاکستانی ناول نگاروں میں انتظار حسین کا نام اہم ہے۔ ان کے ناول ''چاند گہن''، ''بستی''، ''آگے سمندر ہے'' سب اسی پس منظر میں لکھے گئے۔ ان ناولوں میں ماضی کی یادوں کے ساتھ ساتھ پاکستانیت کا شعور بھی منعکس ہو رہا ہے۔ ''بستی'' کا اختتام مایوسی نہیں دیتا بلکہ ایک خاص امید اور خوشخبری دیتا ہے۔ یہ خوشخبری پاکستانیت ہی ہے۔ معاشرے میں معاشرتی مسائل کو بالعموم اور غربت، افلاس، تنگدستی، ذہنی اور نفسیاتی مسائل کو بالخصوص شوکت صدیقی نے اپنے ناول ''خدا کی بستی'' میں موضوع سخن بنایا۔

خواتین ناول نگاروں میں خدیجہ مستور کے ناول ''آنگن'' اور ''زمین'' میں بھی پاکستانیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ ''آنگن'' فسادات کے المیے سے شروع ہو کر پاکستان کے قیام کے اختتام کو پہنچتا ہے۔ جبکہ ''زمین'' پاکستان کے ابتدائی حالات سے شروع ہو کر پاکستانی معاشرت اور حالات و واقعات کی کہانی ہے۔ مصنفہ نے پاکستان کی وہ تصویر دکھائی ہے جب پاکستانی معاشرہ ناانصافی، جذباتی اور نفسیاتی مسائل کا شکار تھا۔ پاکستان کی دیہاتی زندگی کی عکاسی کرنے والا ناول غلام الثقلین کا ''میرا گاؤں'' ہے جس میں پنجاب کے دیہاتوں کی معاشرتی زندگی کے حقائق کو بیان کیا ہے۔ ناول کی کہانی میں ایوب خان کا دور، مارشل لاء اور ۱۹۶۵ء کی جنگ کا واقعات بھی شامل ہیں۔

پاکستانی شہری زندگی کی بہترین تصویر انور سجاد کا ناول ''خوشیوں کا'' باغ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ پاکستان کی سیاسی، سماجی تنزلی اور کبھی آمریت، کبھی جمہوریت سے شہریوں کی زندگیاں کس قدر متاثر ہوتی ہیں۔ اس کے برعکس عبداللہ حسین کا ناول ''قید'' پنجاب کی دیہاتی اور شہری زندگی کا امتزاج ہے۔ ان ناولوں کی طرح خالدہ حسین کا ناول ''کاغذی گھاٹ''، رضیہ فصیح کا ''آبلہ پا'' بھی پاکستانیت کے حوالے سے اہم ناول ہے۔

معاشرتی زندگی کی ایک مکمل تصویر دکھانے والی ادب کی صنف افسانہ ہے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے بھی افسانے میں معاشرتی زندگی کی عکاسی نمایاں تھی۔ اس وقت کے افسانے میں ہندوستانی معاشرت کی تصویر اور عناصر تھے لیکن تقسیم کے بعد جو مثالی افسانے منظر عام پر آئے ان میں پاکستانی معاشرت اور ماحول کی تمام صفات نظر آئیں۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل تقسیم کے بعد افسانے میں پاکستانیت کے حوالے سے کہتے ہیں:

> ''پاکستانیت کے حوالے سے بھی ہمارا افسانہ، دیگر اصناف یہاں تک کے ناول کے مقابلے میں بھی زیادہ باثروت ہے۔ سماجی حقیقت نگاری کی جو مکمل اور واضح تصویر ہمیں افسانہ میں نظر آتی ہے وہ دوسری تمام اصناف کے مقابلے میں مثالی ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل کا ہندوستانی افسانہ اپنے عصری مسائل، اظہار و حقائق اور ہندوستانیت کے عناصر کو پیش کرنے میں بھی اسی

طرح مثالی رہا۔ پاکستان میں لکھے جانے والے افسانہ کو ورثہ میں یہی صفات ملیں۔ لیکن اب موضوعات، ماحول اور کردار اس کے اپنے ہیں۔''[۷]

ناول کی طرح افسانے میں بھی تقسیم کے بعد اہم موضوعات میں ہجرت، فسادات انسانی بے بسی اور نئے وطن کی صورتحال شامل ہیں۔ آزادی کے بعد اہم افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی، خدیجہ ستور، انتظار حسین، ہاجر، سرور، قدرت اللہ شہاب، عزیز احمد، بانو قدسیہ، اشفاق احمد اور غلام عباس شامل ہیں۔

جس طرح پریم چند نے ہندوستانی دیہات کی سرزمین کو اپنے افسانوں کی زمین بنایا اسی طرح احمد ندیم قاسمی نے پاکستانی دیہی علاقوں کے معاشرتی حقائق کی ترجمانی کو اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر پاکستانیت کے عناصر کو نمایاں کیا۔

انتظار حسین ہندوستانی اور پاکستانی معاشرت کے مختلف ہونے کو خوب سمجھتے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر کے اپنے وطن میں آئے اس لیے وہ ہندو مسلم کلچر، اسلامی عجمی و اخلاقی روایات کو اپنے افسانوں کا موضوع بناتے ہیں اور ماضی اور حال کا خاص تعلق پیدا کرتے ہیں۔

خدیجہ مستور کے افسانوں میں پاکستان کے لاچار اور سماجی جبریت کے شکار لوگوں کے لیے ایک اجتماعی رویہ نظر آتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ ''ٹھنڈا میٹھا پانی'' میں پاکستانیت کا شعور بلند درجے پر نظر آتا ہے۔ ہاجرہ مسرور کے افسانوں میں بھی انسانی زندگی اور ماحول میں جبر کے خلاف مظلومیت نہیں بلکہ شدید احتجاج ملتا ہے۔

غلام عباس نے سماجی اور معاشرتی زندگی کے مسائل پر قلم اُٹھایا اور ایسے افسانے تخلیق کیے جن میں پاکستانی معاشرے کے کردار چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ انور سجاد اور انتظار حسین کے بعد علامتی افسانے تخلیق کرنے میں اہم نام رشید امجد کا ہے وہ ایسے افسانے تخلیق کرتے ہیں جو ماضی کی تہذیبی ورثے سے ناطہ جوڑ کر وطن کی مٹی سے محبت کا رنگ اختیار کرتے ہیں۔

سماج کی سیاسی و سماجی اور ثقافتی تصویر ادب میں ہی نظر آتی ہے اور آنے والی دور کے لئے تاریخ کا کام دیتی ہے۔ پاکستان کی سیاسی و سماجی تاریخ کا کام دیتی ہے۔ پاکستان کی سیاسی و سماجی تاریخ بھی پاکستان کے ادب میں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ یہی بات پاکستان کے ادب کو دوسری قوموں کے ادب سے الگ کرتی ہے اور یوں پاکستان میں پنپنے والے ادب کو ہم فخر سے ''پاکستانی ادب'' کہہ سکتے ہیں۔

یہ مختصر جائزہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد تخلیق ہونے والا ادب خصوصاً افسانوی ادب اپنی الگ پہچان رکھتا ہے۔ اس میں پاکستانی مٹی اور فضا کی بو باس ہے۔ پاکستانی ادیبوں کی تخلیقات بلاشبہ پاکستانیت کے خدوخال اور مناظر کو اُجاگر کرتی ہیں۔

حواشی:

۱۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر، ''اُردو ادب میں پاکستانیت کا مسئلہ''، مشمولہ: پاکستانی ادب، پہلی جلد، ترتیب و انتخاب رشید امجد، فاروق علی، راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، ۱۹۸۲ء، ص: ۵۴۶

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، ''ادب میں پاکستانیت کا مسئلہ''، مشمولہ: پاکستانی ادب، پہلی جلد، ترتیب و انتخاب، رشید امجد، فاروق علی، راولپنڈی: فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، ۱۹۸۲ء، ص: ۵۵۳

۳۔ معین الدین عقیل، پاکستانی زبان و ادب (مسائل و تناظر)، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص: ۸۷

۴۔ انور سدید، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۴ء، ص: ۶۱۴۔ ۹۱۵

۵۔ رشید نثار، ڈاکٹر وزیر آغا اور ہمارا عہد، اسلام آباد: ادبی سوسائٹی، ۱۹۹۸ء، ص: ۱۴

۶۔ نوازش علی، پاکستان میں اُردو ادب کے پچاس سال، راولپنڈی: گندھارا بکس، ۲۰۰۵ء، ص: ۲۳

۷۔ معین الدین عقیل، پاکستانی زبان و ادب (مسائل و تناظر)، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۴۵

۸۔ رشید امجد، پاکستانی ادب، رویے اور رجحانات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء

۹۔ عقیل احمد، اُردو ناول اور تقسیم، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۷۸ء

۱۰۔ وقار عظیم، داستان سے افسانے تک، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۹۰ء

۱۱۔ خالد اشرف، برصغیر میں اُردو ناول، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۵ء

II

ہمارے دانشوروں کے خواب بکھر گئے، سوچیں منجمد ہو گئیں، قلم یا قصیدہ گو ہو گئے یا خاموش۔ البتہ کبھی کبھی کوئی دکھ بھرا نوحہ یا اذیت ناک سوال صفحہ قرطاس پر آ دمکتا ہے۔ اس صورت حال میں ادب کا مسئلہ غم دوش سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے۔ البتہ نفی ادب کا عمل جس سرعت سے ظاہر ہوا ہے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈس الوژن منٹ (Disillusionment) نفی ادب کا ''ادب'' تو پیدا کر سکتی ہے۔ حقیقی ادب کی تخلیقی اس کے دائرہ اختیار میں نہیں ہے۔

حقیقی ادب تو شعور کی درست سیاسی ثقافتی اور نظریاتی جہت ہی کی بدولت وجود میں آتا ہے۔ حقیقی دانشور یہ سوال بھی نہیں کرتے کہ چشمے کہاں ہیں؟ انہیں معلوم ہے کہ چشمے کہاں ہیں لیکن ان کے قلم خاموش ہیں۔ چشموں کا سراغ لگے تو کیسے؟ وہ سب کچھ جانتے ہیں کہتے نہیں، وہ سب کچھ دیکھتے ہیں اظہار نہیں کرتے۔ وہ موت کی جانب رینگتی مخلوق کی چیخیں سنتے رہے، انہیں دلاسا بھی تو نہیں دیا۔ ان کے جسموں کے ریشم پر خون تھوکتی مدقوق زندگی کی اکھڑی سانسیں لہراتی رہیں، وہ اس اذیت کی قلمی تصویریں بھی تو نہیں بنا پائے۔ غیر قومی نظریات کا بارود ڈھیرے ڈھیرے فولادی تمناؤں کی دیواریں کاٹ رہا تھا۔ سوچوں کے وسیع و عریض آزاد سمندر غلامی کے صحراؤں میں تبدیل ہو گئے تھے۔ ''جنوں کی حکایت خونچکاں'' کہنے کا حوصلہ کس میں تھا کہ ہاتھ قلم ہونے کا اندیشہ تھا۔ متاع لوح و قلم تو چھن ہی چکی تھی، حلقہ زنجیر میں اپنی زبانیں کاٹ کر رکھنے والے بھی خاموش تھے۔

پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید، سینئر وزیٹنگ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور